شیعوں کی مذہبی اور سماجی بیداری میں خاندان اجتہاد کا مرکزی کردار

مؤلف: ڈاکٹر فیضان جعفر علی[1]

مقدمہ

ہر دور میں باعمل علماء اور دانشمند حضرات کسی نہ کسی عنوان سے کسی نہ کسی تحریک کے بانی و موسس رہے ہیں۔ البتہ تاریخ میں بعض تحریکیں ایسی رہی ہیں جن کو ابتدا سے ہی باقاعدہ تحریک کے نام سے آگے بڑھایا گیا جس کے نتیجہ میں عوامی بیداری وجود میں آتی رہی ہیں لیکن بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کچھ افراد کسی ایک نہج یا کسی ایک مقصد کے تحت کام کرتے چلے جاتے ہیں اور ان کی نہج اور روش کو ان کے گذر جانے کے بعد تحریک کا نام دیا جاتا ہے، جس میں جگہ جگہ پر عوامی بیداری کے نمونے نظر آتے ہیں اور محققین حضرات ایسی تحریکوں اور بیداریوں کا مختلف پہلو سے مطالعہ کرتے ہیں اور اس کے مفاد و معایب پر روشنی ڈالتے رہتے ہیں۔ خاندان اجتہاد کے علماء اور دانشمندوں اور اسی طرح ان کے خاص شاگردوں نے بر صغیر میں شیعہ مذہب کی شناخت اور اس کی بقاء و دوام کے لئے جو کارنامے اور کوششیں کی ہیں[2] وہ کسی

١۔ راقم الحروف نے حاشیہ ہی میں کتابوں کا مکمل حوالہ دیدیا ہے لہٰذا الگ سے کتابیات کے ذیل میں کتابوں کی تفصیلات بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

٢۔ سید دلدار علی غفرانمآب صاحب نے شیعی اعتقادات اور فقہی مسائل وغیرہ میں جو اصلاحات انجام دی ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں (اور اس اصلاحات کی انجامدہی کو بھی ایک تحریک کا نام دیا جاسکتا ہے)۔ اسی طرح ہندوستان میں شیعہ نماز جماعت اور نماز جمعہ کا انعقاد و قیام وغیرہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انہوں نے شیعہ مذہب کی صحیح شناخت اور اس کی بقاء کے لئے کتنی کوششیں کی ہوں گی۔ (اس بارے میں تفصیلی معلومات کے لئے رجوع کر سکتے ہیں: تاریخ العلما

تحریک سے کم نہیں ہیں اور ان کی یہ کوشش نہ صرف ہندوستان کے شمالی علاقوں میں شیعہ قوم کی بیداری میں موثر رہی ہے بلکہ برصغیر میں موثر ثابت رہی ہے۔ البتہ اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ اودھ کے نوابوں نے بھی شیعیت کو فروغ دینے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی اور انہوں نے مذہبی اور دینی کاموں کو بڑھاوا دینے کے لئے انہیں علماء کا سہارا لیا اور علماء نے بھی شیعہ مذہب کے اصول و قوانین کو مد نظر رکھتے ہوئے نوابی حکومت کی مدد اور ان کا ساتھ دیا ہے[۱]۔

ہم یہاں پر کچھ ایسی تدریجی تحریکوں کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جن میں خاندان اجتہاد کے علماء اور دانشمندوں کا مرکزی کردار رہا ہے بلکہ دراصل وہی لوگ اس کے محرک رہے ہیں۔ اگرچہ بیسویں صدی عیسوی میں آنے والی نئی نسلوں نے اس کو نئی شکل و جہت دیدی ہے لیکن اس کا سرچشمہ انہیں اولین محرکین کی طرف پلٹتا ہے جن کی کوششوں کے نتیجہ میں ہندوستان میں ہم کو مکمل شیعہ معاشرہ اپنے تمام اصول و قوانین کے ساتھ دستیاب ہوا ہے کیونکہ کوئی بھی معاشرہ دفعتا وجود میں نہیں آتا بلکہ کسی معاشرے کو معاشرہ بننے تک بہت وقت لگتا اور بہت سے افراد کی کوششیں اور قربانیاں بھی شامل حال ہوتی ہیں۔ بہرحال ہندوستانی شیعوں کی مذہبی اور سماجی بیداری میں کچھ ایسی تدریجی تحریکیں نظر آتی ہیں جن کی ایجاد و تشکیل میں خاندان اجتہاد کے علماء و دانشمندوں کا اہم اور مرکزی کردار رہا ہے ان میں سے بعض تحریکیں شیعہ معاشرے کی ایسی اہم رکن ہیں جن کے بغیر سماج و معاشرے کی تشکیل ناممکن ہے۔

مولف محمد حسین، نظامی پریس لکھنو ۱۹۱۷ء، تذکرۃ العلماء مولف سید مہدی بن نجف علی وکتاب آئینہ حق نما اور کتاب سوانح غفرانمآب مولف سید آغا مہدی وغیرہ۔

۱۔ نوابین اودھ کا دور حکومت (۱۷۲۲ الی ۱۸۵۷ء) ہندوستان میں شیعوں کی ترقی اور فلاح و بہبود کا زرین عہد رہا ہے۔ قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں کہ: نوابان اودھ صرف شیعہ ہی نہیں تھے بلکہ اس مذہب کے سرگرم مبلغ بھی تھے چنانچہ نواب آصف الدولہ نے مذہب تشیع کی اشاعت میں دل سے کوشش کی اور ان کے نائب حسن رضا خان نے بھی اس راہ میں بہت کوششیں کیں جن کی کوشش کے نتیجہ میں ہزاروں خاندان سنی سے شیعہ ہوگئے اور ان کو جاگیریں بھی دی گئیں۔ (رجوع کریں: قاضی اطہر مبارکپوری، دیار پورب میں علم اور علماء، ص۱۱۰)۔ خاندان اجتہاد کے بیشتر علماء اسی دور میں علمی، مذہبی اور سماجی فعالیت کرتے رہے ہیں جنہوں نے کبھی بھی حکومت یا کسی حکومتی منصب کی لالچ میں دین کا سودا نہیں کیا بلکہ حکومت کے غلط کام کو بغیر کسی ڈر اور خوف کے ٹوک دیا ہے کہ فلاں کام ہمارے مذہبی اصول کے خلاف ہے۔

۱۔ علماء وطلاب دینی کی تربیت

کسی مذہب کی تشکیل اور اس مذہب سے جڑے ہوئے معاشرے و سماج کی ترویج میں علماء کا بہت ہی اہم کردار ہوتا ہے۔ علماء جہاں دینی باتوں کو پھیلانے کے لئے اپنے زمانے میں موجود تمام ذرائع کا استعمال کرتے ہیں وہیں ان کو یہ بھی فکر ہوتی ہے کہ اپنے اس تسلسل کو برقرار رکھیں تاکہ مذہبی باتوں کو پہنچانے میں رہبریت کا خلا واقع نہ ہو لہٰذا علماء اپنی تمام ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ علماء کی تربیت کا شیوہ کبھی ترک نہیں کرتے تاکہ دینی باتیں پہنچانے کا یہ سلسلہ آنے والی نسلوں تک برقرار رہے۔اس سلسلہ میں سب سے پہلے اقدام کرنے والے مجتہد سید دلدار علی ملقب بہ غفرانمآب علیہ الرحمہ ہیں جنہوں نے شاگردوں کی پرورش وتربیت کی اور ان کا ہر ایک شاگرد نابغہ زمانہ رہا ہے۔ان کے کچھ شاگردوں کا نام بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ سلطان العلماء اور محمد مفتی قلی جو علم کلام میں مہارت رکھتے تھے، سبحان علی خان مناظرے کی مہارت سے بخوبی واقف تھے، سید العلماعلامہ علیین اور علامہ سید احمد فقہ واصول میں تبحر تھے، مولوی یاد علی نصیرآبادی علم تفسیر میں ماہر تھے، مرزا زین الدین احمد خان علوم ادب، عروض و قوافی میں مہارت رکھتے تھے اور سید نظام الدین حسین علوم معقولات اور ریاضیات میں تبحر رکھتے تھے[۱]۔ خاندان اجتہاد کے علماء کی جانب سے درس وتربیت کا یہ سلسلہ نوابی حکومت میں اتنا منظّم رہا ہے کہ اودھ کے مختلف علاقے مثلا جونپور، فیض آباد، غازیپور اور مبارکپور[۲] وغیرہ کو متاثر کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے یہی تربیت یافتہ شاگرد برصغیر کے مختلف اور دور دراز علاقوں میں شیعیت کی ترویج واشاعت کا سبب بنے ہیں۔

اٹھارہویں صدی عیسوی کے نصف آخر سے لیکر انیسویں صدی کے نصف آخر تک اگر آپ ملاحظہ کریں گے تو خاندان اجتہاد کے تقریبا اٹھارہ جید علمائے کرام نظر آتے ہیں جو اپنے زمانے کے مشہور شیعہ عالم تھے اور ان میں سے پانچ غفرانمآب کے بیٹے ہیں اور بقیہ ان کے پوتے وغیرہ ہیں جنہوں نے اس مسند درس و تربیت کو برقرار رکھا اور ان کا دائرہ کار صرف لکھنو تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ پورے برصغیر میں ان کے بہت سے شاگرد، مقلدین و مبلغین پھیل چکے تھے جو ہمیشہ ان سے رابطہ میں رہ کر مذہب اہلبیت علیہم السلام کو پھیلانے کا کام کر رہے تھے۔ جیساکہ غفرانماب، تاج العلما، علیین مکان، فردوس مآب، ملاذ العلما اور ممتاز

۱۔ سید مہدی بن نجف علی عظیم آبادی، تذکرۃ العلماء، ورثۃ الانبیاء، ص۳۱۱ الی ۳۲۵

۲۔ دیار پورب میں علم اور علماء، ص۱۱۱-۱۱۳؛ قاضی اطہر مبارکپوری، تذکرہ شجرہ علمائے مبارکپور، ص ۳۵

العلماکے شاگردوں میں مولانا سید عبدالعلی، مولانا سید منصب علی، مولانا ملا احمد حسین، مولانا محمد ابراہیم، مولانا سید علی جواد، مولانا سید علی حسین وغیرہ غازیپور اور زنگی پور میں مصروف عمل تھے[1] اور کنتور سے مولانا اعجاز حسین، مولانا تصدق حسین، مفتی قلی خان، مولانا غلام حسنین کنتوری اور مولانا میر حامد حسین وغیرہ[2]۔ الہ آباد میں مولانا سید امجد حسین، مولانا ابوالحسن اور سید آغا صاحب[3] اور اسی طرح جائس، جونپور، بدایوں، سنڈیلہ، بلگرام، محمد آباد، بنارس، زیدپور، بارہ بنکی، میرٹھ، سلطانپور، کانپور، کوپاگنج، مبارکپور وغیرہ میں مولانا ناصر حسین جونپوری، مولانا محمد اعجاز بدایونی، مولانا اشرف علی بلگرامی، مولانا سید احمد علی محمد آبادی، مولانا سید احمد حسن شکارپوری، مولانا مرزا محمد فیض آبادی، مولانا سید علی جائسی، مولانا غلام حسین بنارسی، مولانا علی نقی شاہ سلطانپوری[4]، مولانا غنی نقی زیدپوری، مولانا افضل حسین، مولانا خواجہ عابد حسین[5]، مولانا عبدالرشید کوپاگنجی و شیخ علی سجاد مبارکپوری[6] وغیرہ۔

اس مختصر سی فہرست سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خاندان اجتہاد کے علماء نے درس وتربیت کے انداز میں جو تحریک چلائی تھی وہ کتنی کارگر ثابت رہی اور پوری ایک صدی کے اندر شاگردوں کی ایک ایسی کہکشاں وجود میں آگئی جس نے برصغیر کے مختلف علاقوں میں شیعیت کی روشنی پھیلادی اور آج بھی اس کی روشنی مدرسوں کی صورت میں باقی ہے اور تشنگان علم کو فائدہ پہنچارہی ہے کیونکہ ہندوستان کے قدیم مدرسوں کے اکثر بانیوں کا شمار بھی خاندان اجتہاد کے شاگردوں ہی میں ہوتا ہے اور اسی قدیم مدرسوں سے فارغ ہونے والے طلاب نے اسی شعاع سے جدید مدرسوں کا قیام کیا ہے گویا ایک چراغ سے مختلف چراغ جلائے گئے ہیں۔

۱۔ محمد حسین نوگانوی، تذکرہ بی بہا، ج۱، ص ۳۳و۳۴، ۴۰، ۴۲، ۷۰و۷۱، ۱۲۹و۱۳۰، ۱۴۰و۱۴۱، ۱۶۱، ۲۲۱، ۲۴۴، ۳۳۷،

۲۔ ایضا، ص ۴۰و۴۱، ۱۱۸و۱۱۹، ۲۸۰، ۱۵۹

۳۔ ایضا، ص ۶۳و۶۴، ۷۹و۸۰۔ آغا مہدی لکھنوی، سوانح حیات فردوس مکان، ص ۱۴و۱۵، کراچی ۱۳۸۲ھ

۴۔ ایضا، ص ۴۰، ۸۳، ۹۳، ۴۵و۴۶، ۲۷۸، ۴۱۹، ۴۲۰۔ آغا مہدی لکھنوی، سوانح حیات فردوس مکان، ص ۴۱ الی ۴۳، سید احمد نقوی لکھنوی، ورثۃ الانبیاء، ص ۵۳و۵۴، ۷۶، ۲۰۹و۲۱۰

۵۔ سید علی محمد نقوی، فقہ وفقہا در ہند، ص ۱۳۱و۱۳۲

۶۔ سعید اختر رضوی، خورشید خاور، ص ۲۲۸، ، کرار حسین اظہری، شجرہ طیبہ یعنی مبارکپوری شیعہ علمائے کرام کے حالات، ص ۵۸

۲۔مذہبی و دینی کتابوں کی تالیف و ترجمے

کسی بھی مذہب کے اصول و قوانین کو سمجھنے میں اس مذہب سے متعلق لکھی جانے والی کتابوں کا اہم کردار ہوتا ہے۔ کسی بھی مذہب کو تاریخی، اعتقادی، کلامی پہلو سے جانچنے اور پرکھنے کے لئے اس کے ہر پہلو سے متعلق کتابوں (جو تحقیقی میدان کا اہم جز رہا ہے) کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اسی لئے ہر زمانے میں ہر مذہب کے علما و دانشمند حضرات اپنے مذہب سے متعلق کتابیں تحریر کرتے رہتے ہیں تاکہ آنے والی نسلوں تک ان کا پیغام منتقل ہوتا رہے اور اسی طرح ان کے مذہب کے بارے میں ہونے والے اعتراضات کا جواب بھی ان کے مذہبی اصول کے مطابق دیا جاتا ہے۔

سید دلدار علی غفرانمآب وہ پہلے ہندوستانی مجتہد اور عالم دین ہیں جن کو شیخ طوسی یا وحید بہبہانی اور شیخ مرتضی انصاری سے مقایسہ کیا جاسکتا ہے[1] کیونکہ انہوں نے ہندوستان میں نہ صرف پہلی بار حوزہ علمیہ اور درس خارج کا قیام کیا بلکہ ہندوستان میں شیعوں کی نماز جمعہ بھی قائم کی[2] اور وہی وہ پہلے ہندوستانی مجتہد بھی ہیں جنہوں نے شیعوں کی بیداری اور شیعہ مذہب کی شناخت اور اس کے اصول و مفاہیم کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے متعدد کتابیں تحریر کی ہیں اور اسی طرح ان کے بیٹوں نے بھی اپنے والد بزرگوار کی راہ کو جاری رکھتے ہوئے کتابوں کی صورت میں بیشمار قیمتی سرمایہ ہمارے لئے چھوڑ رکھا ہے جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہے۔ ان لوگوں کی تالیفات کو مندرجہ ذیل چند موضوعات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔اخباریوں کی رد میں کتابیں تحریر کی ہیں جن کا تعلق علم فقہ اور اصول فقہ سے ہے۔ ۲۔ عقاید اور فقہی احکام سے متعلق متعدد کتابیں تحریر کی ہیں۔ ۳۔ سیرت اور واقعہ کربلا سے متعلق کتابیں۔ ۴۔ درسی اور ادبی کتابوں کی شرحیں۔ ۵۔ تصوف کی رد میں لکھی جانے والی کتابیں۔ ۶۔ اہل سنت اور بالخصوص وہابیت کی رد میں لکھی جانے والی کتابیں۔ ۷۔ علم کلام کے موضوع پر کتابیں۔

نمونہ کے طور پر خاندان اجتہاد کے علما اور ان کے شاگردوں کی بعض معرکہ آراء کتابوں کا تذکرہ کرنا ضروری ہے جو مذہب شیعہ کے دفاع اور اس کے اصول و مفاہیم کے بارے میں تحریر کی گئی ہیں: کتاب عماد الاسلام، ذوالفقار، صوارم الالہیات و حسام الاسلام (رد تحفہ اثنا عشریہ) غفرانمآب کی ان علمی کتابوں میں سے

۱۔ سید علی محمد نقوی، فقہ و فقہا در ہند، ص۵۶

۲۔ سید آغا مہدی لکھنوی، سوانح غفرانمآب، ص۱۶ و ۱۷

ہیں اور جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی[۱]۔ اسی طرح سلطان العلماء سید محمد ابن دلدار علی کی کتابیں ضربت حیدریہ وطعن الرماح وبرق خاطف (در مبحث فدک) بوارق موبقہ و رد تحفہ اثناعشریہ (در مبحث خلافت و امامت) بارقہ ضیغمہ (متعہ کے بارے میں) ازالۃ الغی در رد اندیشہ عبدالحیی، صمصام قاطع شعائر عزاداری اور سید العلما سید حسین ابن دلدار علی کی کتابیں حدیقۂ سلطانیہ (۵ جلد اصول دین شیعہ کے بارے میں) وسیلہ النجاۃ اور تاج العلما سید علی محمد کی کتابیں صولت العلویہ (در رد نصاری)، مہدویہ (در رد مہدی سودانی)، رحیق مختوم (دربارہ واقعہ غدیر)، اثناعشریہ فی بشائر النبویہ وغیرہ۔

اسی طرح ان لوگوں کے بعض شاگردوں کی مشہور کتابوں میں کتاب تشئید المطاعن از مفتی محمد قلی؛ کتاب سیف مسلول، دلیل قوی، رواتح القرآن، جواہر عبقریہ (در رد تحفہ اثناعشریہ)، شعلہ جوالہ در اثبات احراق مصحف توسط خلیفہ عثمان از مفتی محمد عباس[۲] وکتاب استقصاء الافہام فی رد منتہی الکلام اور عبقات الانوار از میر حامد حسین اور کتاب النار الحاطمہ لقاصد احراق بیت فاطمہ از غلام حسنین کنتوری؛ کتاب سیف اللہ الاکبر علی مفرق ذی الضرب المنکر ملقب بہ ذوالفقار حیدر، کنز مکتوم فی حل عقد ام کلثوم، تشفی اہل السنہ والخوارج، دفع الوثوق عن نکاح الفاروق، المرافعات (در رد شاہ عبدالعزیز) از سید علی اظہر وغیرہ کا نام لیا جاسکتا ہے[۳]۔ اس کے علاوہ بھی شیعہ فقہ واصول، تاریخ وسیرت، تفسیر وعلم کلام کے متعلق بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں جن کا یہاں تذکرہ کرنا ضروری نہیں ہے[۴]۔

نوابی حکومت کے زوال کے بعد معاشرے نے جہاں سیاسی اور سماجی کروٹ لی وہیں رفتہ رفتہ فارسی اور عربی زبان پر بھی اس کے اثرات مرتب ہونے لگے کیونکہ انگریزوں نے انگریزی زبان کو اداروں میں

۱۔ سید احمد نقوی، ورثۃ الانبیاء، ص۵۱-۵۲؛ سید علی نقی النقوی، مذہب شیعہ اور تبلیغ، ص۲۵-۲۶

۲۔ مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی، تجلیات یعنی تاریخ عباس، ص۱۹۹؛ مفتی محمد عباس، الشعلۃ الجوالہ، ص۱

۳۔ سید احمد نقوی، ورثۃ الانبیاء، ص۴۷-۵۷، ۲۰۲، ۳۳۴-۳۳۶، ۳۷۶-۳۷۷، ۴۲۸-۴۳۰؛ سید آغا مہدی، تاریخ سلطان العلما، ص۱۵۲-۱۵۴، کراچی ۱۳۸۲ھ؛ محمد باقر شمس، لکھنو کی تہذیب، ص۴۵-۵۱،؛ علی نقی النقوی، مذہب شیعہ اور تبلیغ، ص۲۵-۲۶؛ غلام حسنین کنتوری، النار الحاطمہ؛ علی اظہر، ؛ مرتضی حسین، مطلع انوار، ص۳۴۷

۴۔ اس بارے میں بیشتر آگاہی کے لئے کتاب ورثۃ الانبیاء، سید اطہر عباس رضوی (A Socio-Intellectual History of the Isna Ashari Shia in India,) وکتاب مطلع انوار مولف مرتضی حسین کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

رائج کردیا البتہ مسلمانوں کے یہاں ان زبانوں کا علمی درجہ برقرار تھا اور مسلمانوں کے بہت سے علماء اپنی تالیفات ابھی بھی عربی اور فارسی زبان میں ہی لکھتے تھے[1] لیکن عوام سے افہام و تفہیم کے لئے اردو زبان کو وسیلہ قرار دیا جانے لگا کیونکہ ۱۸۸۰ء سے لیکر ۱۹۰۰ء کے دوران چھاپخانوں اور پریس کی ایجاد سبب بنی کہ اردو زبان میں بہت سے اخبار اور مجلات شائع ہونے لگے اور عوام نے بھی اس کی طرف بھرپور دلچسپی دکھائی، گویا اخبارات اور مجلات اس زمانے کے بہترین ذرائع ابلاغ تھے جو میڈیا کا کام کرتے تھے لہٰذا وہ علماء جو ابھی تک اپنی تالیفات عربی اور فارسی میں لکھتے تھے وہ بھی اس بات کی طرف متوجہ ہوئے کہ اگر ہمیں اپنی بات عوام تک پہنچانا ہے تو ہمیں وقت کے تقاضے اور زبان کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی بات پہنچانی ہوگی۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں ہمیں جہاں عربی و فارسی تالیفات کی اشاعت میں کمی نظر آتی ہے وہیں دینی اور درسی متون سے متعلق کتابوں کے اردو تراجم اور اردو زبان میں تالیفات کی بہتات بھی نظر آتی ہے۔ اس موقع کی نزاکت اور وقت کی کروٹ کو بھی سب سے زیادہ خاندان اجتہاد کے علما و دانشمندوں اور ان کے شاگردوں نے ہی محسوس کیا اور اس تحریک میں انہیں کا بیشتر حصہ رہا ہے۔

نمونہ کے طور پر بعض کتابوں کو پیش کرتے ہیں جس کی بیشتر اشاعت ۱۸۵۰ء سے لیکر بیسویں صدی عیسوی کے نصف اول میں ہوئی ہیں: مولانا سید علی محمد نے قرآن مجید کا پہلی بار اردو میں ترجمہ کیا[2] اور اسی طرح صحیفہ کاملہ، احقاق الحق، کتاب شرح باب حادی عشر و کتاب جامع الاحکام، محیط الدائر (در علم عروض)، در ثمین محسن عملی (در عقائد)، کتاب قانون ابو علی سینا، ترجمہ و تفسیر قرآن (توسط مولوی فرمان علی)، ترجمہ

۱۔ چنانکہ سید احمد علی محمد آبادی، ابوالحسن ابو صاحب، ملاذ العلماء ابوالحسن ابن بندہ حسین، مفتی محمد عباس، ابوالحسن رضوی، سید نجم الحسن، غلام حسنین کنتوری، ممتاز العلما سید محمد تقی و تاج العلما، علامہ احمد ہندی، ناصر حسین ابن میر حامد حسین، عماد العلماء محمد مصطفیٰ، بحر العلوم محمد حسین علن، فخر العلماء سید علی اظہر، شیخ فدا حسین، محمد محسن زنگی پوری کا شمار ان علما میں کیا جاسکتا ہے کہ سنہ ۱۹۰۰ء تک جن کی اکثر تالیفات عربی اور فارسی زبانوں میں ہیں۔ (ان علما کی تالیفات کی بارے میں بیشتر معلومات کے لئے کتاب ورثۃ الانبیاء، کتاب نجوم السماء مولف محمد مہدی کشمیری، تذکرہ بی بہا مولف محمد حسین نوگانوی اور کتاب مطلع انوار کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ آغا مہدی لکھنوی، تاریخ سلطان العلماء، ص۱۷۵؛ مذہب شیعہ اور تبلیغ، ص۲۷

ناسخ التواریخ، اصول کافی، اعتقادیہ صدوق، ارشاد المفید، منار الہدی، فصول المہمہ بن صباغ، احتجاج طبرسی، خلاصہ عباسی، خصال صدوق، معالم الاصول، زبدۃ الاصول، نہج البلاغہ، وجیزۃ درایہ، مصباح المنطقیہ، رسالہ سقراط، حکمۃ الاشراق وحلیۃ المتقین وغیرہ کتابوں کو اس زمانے کے شیعہ علماء کے ذریعہ اردو زبان میں ترجمہ کیا گیا اور اس کی اشاعت عمل میں آتی رہی[1]۔

ان تراجم کے علاوہ علماء اس بات کی طرف بھی متوجہ ہوئے کہ دینی اور مذہبی کتابوں کی اشاعت یا ترجمہ شدہ کتابوں کی اشاعت کے لئے ایسے مراکز کا قیام کیا جائے[2] جہاں سے مستقل شیعہ کتابوں کی اشاعت ہوتی رہے لہٰذا سب سے پہلے قدوۃ العلماء آقا سید حسن نقوی نے وقت کی تبدیلیوں کے پیش نظر بیسویں صدی کی پہلی ہی دہائی میں "دارالترجمہ" کی بنیاد رکھی[3] جس کا اہم مقصد یہ تھا کہ گذشتہ علماء کی کتابوں کا موجودہ زمانے کی عام فہم زبان میں ترجمہ کیا جائے لہٰذا بہت سی کتابیں اس موسسہ سے شائع ہوئیں اور اسی طرح قدوۃ العلماء سید آقا حسن اور علامہ ہندی جناب سید احمد کے ذریعہ سنہ ۱۹۱۰ء میں "انجمن یادگار علماء" کا قیام عمل میں آیا جس کا مقصد بھی گذشتہ اور متاخرین علماء کے آثار وتالیفات کا احیاء تھا[4]۔ اسی طرح

۱۔ مرتضی حسین، مطلع انوار، ص۱۳۸، ۳۸۷-۳۸۸، ۴۰۶، ۴۸۶-۴۸۷، ۵۰۷، ۵۲۷، ۶۲۶-۶۲۷، ۶۲۹، ۶۴۴۔

۲۔ البتہ ایسا نہیں ہے کہ سنہ ۱۹۰۰ء قبل شیعہ کتابوں کی نشر واشاعت کا کوئی مرکز نہیں تھا بلکہ تاریخ اور کتابوں کی اشاعت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعوں کی کتابیں اکثر مطبع مصطفائی، مطبع سلطانی، مطبع علوی، مطبع نولکشور، مطبع اثنا عشری اور مطبع جعفری وغیرہ سے شائع ہوتی تھیں لیکن ان چاپخانوں سے شیعہ کتابوں کے علاوہ دیگر موضوعات اور مذاہب کی کتابیں بھی شائع ہوتی تھیں اور یہ چاپخانے شخصی و ذاتی ہوا کرتے تھے اور بقول عبدالحلیم شرر: وہ چاپخانے جن کا قیام نوابی حکومت میں یا اس کے کچھ سالوں بعد ہوا تھا وہ بیشتر ادبی شوق کی بنیاد پر قائم کئے گئے تھے جو رفتہ رفتہ تجارتی صورت اختیار کر گئے تھے۔ (عبدالحلیم شرر، گذشتہ لکھنو، ص ۱۲۳، لکھنو ۱۹۲۰ء)۔ لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ فقط شیعہ مذہب کے اصول اور نظریات کی نشر واشاعت کا کوئی خاص مرکز نہیں تھا۔

۳۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں انجمن صدر الصدور کے قیام کے بعد ہی "دارالترجمہ" کا قیام عمل میں آیا۔ (آقا حسن، ترجمہ عماد الاسلام، حصہ اول: کتاب التوحید، ص ۲-۳، لکھنو ۱۹۰۵ء اور آل انڈیا شیعہ کانفرنس، روداد اجلاس اول، ص ۱۱۷، لکھنو ۱۹۰۸ء۔

۴۔ اخبار شیعہ اثنا عشری، ص ۱۰، جلد ۶، شمارہ ۱۵، ۱۵ اپریل ۱۹۱۰ء دہلی؛ اخبار شیعہ اثنا عشری، ص ۱۰-۱۱، جلد ۶، شمارہ ۳۰، ۱۸ اگست ۱۹۱۰ء۔ جناب مرتضی حسین لکھتے ہیں کہ علامہ ہندی نے تیس سال تک اس انجمن میں خدمات انجام دی ہیں۔ (مرتضی حسین، مطلع انوار، ص ۷۲)

آگے چل کر ''انجمن موئد العلوم[1]''اور سنہ ۱۹۳۲ء میں جناب ابن حسین نقوی اور علامہ سید علی نقی نقوی نے ''امامیہ مشن'' کا قیام کیا[2]جس کے ذریعہ مسلسل مختلف موضوعات پر بیشمار شیعہ کتابیں اردو زبان میں منظر عام پر آتی رہی ہیں۔

۳۔ کتب خانوں کا قیام

ہر دور میں علم دوست افراد پائے جاتے رہے ہیں جنہوں نے کتابوں کے مطالعہ سے دلچسپی کے باعث کتابیں جمع کی جو بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے ذخیرہ قرار پائی ہیں۔ انہیں علم دوست افراد میں اودھ کے نوابوں کا بھی شمار ہوتا ہے جنہوں نے اپنی حکومت کے دوران کتب خانوں کا قیام کیا جن کی ایک مثال امیر الدولہ لائبریری لکھنو ہے جن سے لوگ آج بھی مستفید ہو رہے ہیں اگرچہ نوابی حکومت کے بیشتر کتب خانے اور اس کی کتابیں پہلی جنگ آزادی (۱۸۵۷) کے وقت برباد ہو گئی تھیں۔ان کے علاوہ، اس تحریک میں وہ علم دوست علماء بھی شامل تھے جنہوں نے مذہب شیعہ کے مواد و متون کی بقاء کے لئے کتب خانوں کا قیام کیا تھا جو آج شیعی سماج کا بہت بڑا علمی ذخیرہ ہے اگرچہ یہ کتب خانے ابتدا میں شخصی گھروں میں پروان چڑھے لیکن مرور ایام کے ساتھ وہ عام لوگوں کے استفادہ کے لئے قرار دیئے گئے۔ اگر علماء کتب خانوں کی صورت میں کتابوں کی ذخیرہ اندوزی کی طرف متوجہ نہ ہوتے تو یقین جانیے آج ہم شیعی مفاہیم اور ثقافت کی آگاہی سے دور رہتے۔ بہر حال اس میدان میں شیعہ علماء نے اپنی دور اندیشی کا ثبوت دیا اور اس ثقافت سازی میں بھی خاندان اجتہاد کے علماء اور ان شاگردوں کا مرکزی کردار رہا ہے۔

سید دلدار علی غفرانمآب نے اپنے زمانے میں ایک کتب خانہ قائم کیا جو بعد میں ان کے بیٹوں کی سرپرستی میں تھا اور ''کتب خانہ خاندان اجتہاد'' کے نام سے مشہور ہوا[3]۔ سید نقی کا کتب خانہ جو ''کتب خانہ

۱۔ ''انجمن موئد الاسلام'' کتابوں کی نشر و اشاعت کا ایسا مرکز تھا جس کی بنیاد مدرسۃ الواعظین کے قیام کے بعد مولانا سید نجم الحسن اور دیگر علماء کی کوششوں رکھی گئی تھی۔

۲۔ سعید اختر رضوی، خورشید خاور، ص ۲۶۵

۳۔ محمد باقر شمس، لکھنو کی تہذیب، ص ۱۲۳

زبدۃ العلماء" کے نام سے معروف ہوا[1]۔ سید تقی یعنی "کتب خانہ ممتاز العلماء"[2] جو غالباً آج بھی موجود ہے۔ سید محمد قلی کا کتب خانہ یعنی "کتب خانہ ناصریہ"[3]، "کتب خانہ دارالذکر"[4]، کتب خانہ سید علی نقی نقوی ہندوستان کی اسلامی اور شیعی تاریخ میں اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کتب خانوں کے علاوہ بیسویں صدی عیسوی کے نصف اول میں بہت سے دیگر کتب خانے قائم ہوئے جن میں مشہور کتب خانہ عماد العلماء، کتب خانہ مدرسہ ناظمیہ، کتب خانہ سلطانیہ، کتب خانہ مدرسۃ الواعظین[5] اور کتب خانہ راجہ محمود آباد وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

۱۔ محمد باقر شمس کے بقول کتابخانہ زبدہ العلما اور اسی کتابخانہ سید دلدار علی کی بیشتر کتابیں مفقود ہو چکی ہیں (محمد باقر شمس، لکھنو کی تہذیب، ص ۱۲۴)۔

۲۔ محمد باقر شمس، لکھنو کی تہذیب، ص ۱۲۳-۱۲۴؛ مولانا سید آغا مہدی کتب خانہ ممتاز العلماء کے متعلق لکھتے ہیں کہ: اس کتابخانہ میں فقہ اور تفسیر کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ ہے جو عراق و حجاز میں بھی نہیں ہے اور مصنفین کے اصل مخطوطات، سلاطین دنیا کے کتب خانوں کی خاص کتابیں ہیں۔ سونا چڑھے ہوئے مختلف الالوان چوتھی صدی کے قدیم نوشتے اور کمیاب کتابوں میں تفسیر ثعلبی کا خرمہ کی روشنائی سے لکھا ہوا قدیم نسخہ جس کی قیمت سنہ ۱۹۱۹ء میں ایک لاکھ روپیہ تجویز کی گئی تھی اور شہید اول علیہ الرحمہ کے دست مبارک کا لکھا ہوا صحیفہ کاملہ اور تفسیر منبع عیون معانی اور فقہ رضوی نسخہ امام سے مطابق بکثرت کتابیں قابل ذکر ہیں۔ اور اس لائبریری میں وہ کتاب بھی موجود ہے جو عراق سے روانگی کے وقت سمندر میں گر گئی تھی اور ساحل بمبئی میں شکم ماہی سے برآمد ہوئی تھی۔ مکتبہ ممتاز العلما اور ضمیمہ کتب خانہ میں ۴۲۴۱ کتب موجود ہیں۔ (سید آغا مہدی، تاریخ شیعہ کا خونچکاں ورق، ص ۸۹، مطبوعہ الواعظ صفدر پریس لکھنو ۱۳۷۶ھ)۔

۳۔ جناب صابر رضوی اس کتب خانے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: علامہ مفتی محمد قلی نے جو کتب خانہ قائم کیا تھا اس کو آپ کے نور نظر نے جو غیر معمولی زحمتیں برداشت کرکے وسعت دی اور کتابوں کی تعداد کو دس ہزار تک پہنچایا وہ حیرت انگیز تھا لیکن سرکار ناصر الملت نے جو ترقی دی اس کو معراج ہی کہا جا سکتا ہے۔ اس کتب خانہ میں بعض وہ نادر نسخے موجود ہیں جو دنیا کے کسی کتب خانے میں نہیں پائے جاتے یہی وجہ ہے کہ یہ کتب خانہ دنیائے اسلام میں کافی مشہور ہے۔ (صابر رضوی، حافظ علی، نیرین، ص ۵۱، نشر ادارہ تحفظ حسینیت، لکھنو ۱۹۶۲ء)۔

۴۔ اخبار شیعہ اثنا عشری، ص ۹، جلد ۴، شمارہ ۱۲، ۲۳ جولائی ۱۹۰۷۔

۵۔ محمد باقر شمس، لکھنو کی تہذیب، ص ۱۲۴-۱۲۶۔

۴۔مذہبی و سماجی تنظیموں کا قیام

مذہبی اور دینی انجمنوں یا سماجی تنظیموں کا قیام اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ متعلقہ مذہب اور سماج کے لوگوں نے اپنے سماج کی ترقی اور مضبوطی کے لئے ایک منظّم قدم اٹھایا ہے جس کے ذریعہ سماج کے حالات کو متحد ہو کر تنظیم اور کمیٹی کی صورت میں سدھارنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس باہمی اتحاد و اتفاق کا نتیجہ بھی بہت جلد کامیابی کی صورت میں سامنے آجاتا ہے۔ ہندوستان میں شیعوں کی تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں کہ انیسویں صدی عیسوی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں جہاں وقت کی سماجی و سیاسی کروٹوں کو محسوس کرتے ہوئے عیسائیوں اور مسلمانوں نے انجمنوں اور تنظیموں کا قیام کرکے اپنے فرقے اور مذہب کو ترقی کی راہ میں ہمہ جہت منظّم کرنے کی کوشش کی ہے وہیں شیعہ بھی اس معاملہ میں کسی سے کم نظر نہیں آتے اور انہوں نے بھی مذہبی، سماجی، اقتصادی اور علمی ترقی کی راہ کو مد نظر رکھتے ہوئے تنظیموں اور انجمنوں کا قیام کیا ہے اور اپنی قوم کو ہمہ جہت ترقی کی راہ میں منظّم کرنے کی کوشش کی ہے۔ شیعوں کی اس بیداری کی راہ میں بھی خاندان اجتہاد اور ان کے شاگردوں کا مرکزی اور محوری کردار رہا ہے۔ چنانچہ شیعوں کی سب سے بڑی اور تاثیر گذار تنظیم ''انجمن صدر الصدور یا امامیہ کانفرنس[۱]'' سنہ ۱۹۰۱ء میں قدوۃ العلماء سید آقا حسن نقوی کی سرپرستی میں قائم ہوئی[۲]۔ اور سنہ ۱۹۰۷ء میں اس کا نام بدل کر ''آل انڈیا شیعہ کانفرنس'' کر دیا گیا۔ اس کا اہم مقصد شیعہ قوم کو سماجی، اقتصادی اور علمی پسماندگی سے نکال کر ترقی کی راہ میں مضبوط کرنا تھا۔ اگرچہ ۱۹۰۱ء سے لے کر سنہ ۱۹۰۷ء تک کچھ باتوں کو لیکر علماء میں

۱۔ اس زمانے میں انجمن صدر الصدور کو امامیہ کانفرنس بھی کہا جاتا تھا لیکن ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۰۷ء کو اس کا نام بدل کر آل انڈیا شیعہ کانفرنس رکھا گیا۔ قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ اس کانفرنس کے نام کے بارے میں لوگوں کی متعدد رائے تھی بعض لوگوں کا کہنا تھا کہ اس کا نام امامیہ کانفرنس ہی رہے لیکن اکثر لوگوں کا یہ ماننا تھا کہ ایسا نام رکھا جائے تاکہ اسماعیلی اور بوہرہ شیعہ بلکہ ہندوستان میں موجود تمام شیعی فرقہ بھی اس میں شامل ہوسکے۔ (اخبار شیعہ اثناعشری، ص۶، جلد۳، شمارہ ۲۵، یکم نومبر ۱۹۰۷ء)

۲۔ وکیل، آغا حیدر، شیعہ قومی جلسے، اخبار شیعہ اثناعشری، ص۱۰، ۵، جلد ۳، شمارہ ۲، ۸ مئی ۱۹۰۷، علی نقی صفی لکھنوی، صحیفۃ صحیفۃ الملت معروف بہ لخت جاگیر، ص۶-۷، لکھنو؛ ممتاز حسین جونپوری، ہندوستان میں شیعوں کی مجمل تاریخ اور بنای شیعہ کانفرنس، ص۷-۸

اختلاف نظر تھا یہاں تک کہ سید محمد حسین ابن ملک العلماء سید بندہ حسین اور سید آقا حسن کو کانفرنس کی سماجی اور علمی کارکردگی اور اس کی ضرورت کے متعلق فتوا بھی دینا پڑا[۱]۔ ہم یہاں پر ان اختلافی مسائل کے بیان سے گریز کرتے ہوئے اس کانفرنس کی مذہبی اور سماجی خدمات پر مختصر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں جس سے ان بزرگ علماء کی خدمات کا اندازہ ہوسکے۔

ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۰۷ سے باقاعدہ طور پر اس کانفرنس کا آغاز ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے بلائے گئے تقریبا ۴۵۰ علما و دانشمندان اور نواب و راجہ کے باہمی اتفاق و اتحاد سے ہوا[۲] جس کے پہلے صدر قدوۃ العلما سید آقا حسن قرار پائے۔ ساتھ ہی ساتھ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ سنہ ۱۹۰۱ سے لیکر ۱۹۱۰ تک کانفرنس کی جانب سے یہ بھی جاننے کی کوشش کی گئی کہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں شیعوں کی علمی، اقتصادی، سماجی حالات کیسے ہیں اور کس علاقہ میں کتنے شیعہ رہتے ہیں؟ لہٰذا اس کام کی انجامدہی کے لئے کانفرنس کی جانب سے مختلف علاقوں مثلا بارابنکی، جونپور، غازیپور، کانپور، بنارس، رائے بریلی، حضرت پور، رسولپور، کنتور، جرول، سنڈیلہ، بلگرام میں نمائندے بھیجے گئے[۳]۔ ان نمائندوں کا کام شیعوں کے حالات سے متعلق رپورٹ تیار کرنا اور وہاں کے حالات کو سدھارنے کے لئے اسی علاقے میں ایک انجمن بنانا جو کانفرنس سے رابطہ میں رہ کر علاقے کے لئے فلاح و بہبود کا کام کرتی رہے اور انجمن کے موجود ہونے کی صورت میں اس انجمن کو کانفرنس سے جوڑنا اور ذمہ داری دینا تھا، جس کے نتیجہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ کانفرنس کی کارکردگی کا

۱۔ ان فتووں کی نقل اس زمانے کے مشہور و معروف شیعہ اخباروں اور مجلّوں میں شائع ہوئے تھے۔ (رجوع کریں: کانفرنس کے متعلق استفتاء، اخبار شیعہ اثناعشری، ص۶-۸، جلد ۲، شمارہ ۸۴، ۲۳ اپریل ۱۹۰۷ء)

۲۔ شیعہ کانفرنس، مجلّہ اصلاح، ص۲۹-۳۱، جلد ۱۰، شمارہ ۱۷، ماہ رمضان، ۱۳۲۵ھ؛ شیعہ کانفرنس پر عصر جدید کی تہمت، مجلّہ اصلاح، ص ۳۳، جلد ۱۰، شمارہ ۲۳-۲۴، ماہ ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷؛ ماہنامہ عصر جدید، ماہ اکتوبر ۱۹۰۷ لکھنو۔ آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے اجلاس کے انتظام کی پوری ذمہ داری لکھنو کی مختلف ماتمی انجمنوں مثلا مہدیہ، انجمن علویہ، انجمن قمر بنی ہاشم، انجمن پنجتنی، انجمن رفیق الایمان، انجمن عباسیہ، انجمن حسینیہ، انجمن معراج الطالبین وغیرہ نے لے رکھی تھی (اخبار شیعہ اثناعشری، ص۱۱-۱۲، جلد ۳، شمارہ ۲۱، یکم اکتوبر ۱۹۰۷)

۳۔ اخبار شیعہ اثناعشری، ص۱۰-۱۳، جلد ۴، شمارہ ۲۰، یکم اکتوبر ۱۹۰۸م؛ اخبار شیعہ اثناعشری، ص۸، جلد ۴، شمارہ ۲۲، ۱۵ اکتوبر ۱۹۰۸؛ اخبار شیعہ اثناعشری، ص۵، جلد ۴، شمارہ ۲۶، ۸ نومبر ۱۹۰۸؛ اخبار شیعہ اثناعشری، ص۱۱، جلد ۶، شمارہ ۳۸، ۸ اکتوبر ۱۹۱۰

دائرہ بہت وسیع ہوتا چلا گیا اور بیسویں صدی عیسوی کی پہلی دہائی کے آخر تک مندرجہ ذیل انجمنوں سے رابطہ برقرار کرنے کی کوشش کی گئی: انجمن جعفریہ بارہا، انجمن ناصرالایمان وانجمن سادات امروہہ، انجمن امامیہ مچھلی شہر، انجمن امامیہ سوسائٹی بریلی، انجمن ناصریہ بجنور، انجمن رفاہ الاسلام داد ونپور، انجمن شیعہ بدایوں، انجمن امامیہ شاہ گنج آگرہ، انجمن مہدیہ غازیپور، انجمن سرائے میر اعظم گڑھ، شیعہ ینگ من ایسوسی ایشن ردولی، انجمن اصلاح اثناعشری میرٹھ، انجمن حسینیہ الہ آباد، انجمن کاظمیہ جرول، انجمن اثناعشریہ ہردوئی، انجمن مرتضویہ امرتسر، انجمن محمدی مٹیابرج، انجمن حفاظت اوقاف بنگال، انجمن شیعۃ الصفا سونی پت، انجمن موئید شیعہ کانفرنس حیدرآباد وغیرہ[1]۔

اس کے علاوہ کانفرنس کے اہم کاموں میں سنہ ۱۹۱۲ء کو لکھنو میں شیعہ یتیم خانے کی تاسیس، سنہ ۱۹۱۳میں شیعہ بورڈنگ ہاوس کا قیام اور سنہ ۱۹۱۶ء میں شیعہ بیوہ عورتوں کے لئے گھر کا قیام سید آقا حسن کی کوششوں سے ہی عمل میں آیا[2]۔ اور اسی طرح وظائف فنڈ، سنہ ۱۹۱۷ کو شیعہ کالج لکھنو کا قیام اور سنہ ۱۹۲۵ میں سرفراز پریس اور مجلّہ سرفراز کی تاسیس اور شیعہ وقف کے تحفظ کے لئے ایک کمیٹی کا قیام بھی انہیں کی سرپرستی اور کانفرنس کے زیر نگرانی انجام دیا گیا[3]۔ جناب مولانا کلب عابد کے بقول اگرچہ مدرسۃ الواعظین،

---

۱. وکیل، آغا حیدر، شیعہ قومی جلسے، روزنامہ اخبار شیعہ اثناعشری، ص۱۰، ۵، جلد۳، شمارہ۲، ۸مہ ۱۹۰۷؛ انجمنھائے شیعہ اور مدارس کو علمائے شیعہ لکھنو کا پیام، اخبار شیعہ اثناعشری، ص۷، جلد۳، شمارہ۳، ۱۵مہ ۱۹۰۷م؛ آل انڈیا شیعہ کانفرنس، روداد اجلاس چہارم، ص ۳۳-۳۶، ۴۱-۴۲، ۹۱-۹۲، ۱۹۱۰م؛ آل انڈیا شیعہ کانفرنس، روداد اجلاس چھٹاں، ص۱۷، ۱۴۳، ۱۵۷، ۱۹۱۲؛ . آل انڈیا شیعہ کانفرنس، روداد اجلاس ہشتم، ص۱۴، ۴۷، ۵۱، ۱۰۸، ۱۶۷، ۱۹۱۴م؛ اخبار شیعہ اثناعشری، ص۶-۷، جلد۳، شمارہ۹، ۸ جولائی ۱۹۰۷ و ص۹، جلد۳، شمارہ۱۰، ۱۵ جولائی ۱۹۰۷؛ اخبار شیعہ اثناعشری، ص۵، جلد۴، شمارہ۲۶، ۸ نومبر ۱۹۰۸؛ جونپوری، ممتاز حسین، ہندوستان میں شیعوں کی مجمل تاریخ اور بنای شیعہ کانفرنس، ص۱۹

۲۔ آل انڈیا شیعہ کانفرنس، روداد اجلاس چھٹاں، ص ۲۳-۶۸، ۱۹۱۲؛ ممتاز حسین جونپوری، ہندوستان میں شیعوں کی مجمل تاریخ اور بنای شیعہ کانفرنس، ص ۴۰

۳۔ مجلّہ سرفراز، ص۱۱، ۹-۱۲، ج۳۹، شمارہ ۲۰ تا ۲۲، ۲ دسمبر ۱۹۶۱ لکھنو۔ اس کے علاوہ علاوہ شیعہ دائرکٹری، شیعہ بینک، شیعہ مردم شماری، شیعہ یتیم خانہ برای نسواں بھی آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی دستورات میں شامل تھے مگر ان کاموں کو عملی جامہ نہیں پہنایا جاسکا۔ (رجوع کریں: ممتاز حسین جونپوری، لخت جگر نتیجۂ فکر صفی لکھنوی، ص ۲۸-۳۱، نظامی پریس لکھنو ۱۹۳۴ء؛ ممتاز حسین جونپوری، ہندوستان میں شیعوں کی مجمل تاریخ اور بنای شیعہ کانفرنس، ص ۲۳۲)

انجمن وظیفہ سادات اور امامیہ مشن ایک مستقل ادارے ہیں لیکن یہ بھی اسی کانفرنس کی ہی شاخ تھے[۱]۔ ان تمام تنظیموں اور موسسہ کی کارکردگی اور تفصیلات بیان کرنے لئے ایک مستقل کتاب درکار ہے جسے اس مختصر سے مضمون میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا ہم صرف شیعہ یتیم خانے کے بعض شعبہ جات کی طرف اشارہ کردیتے ہیں کہ اس یتیم خانے کی تاسیس کے بعد اس میں صنعت و حرفت اور سلائی و کڑھائی کے شعبے بھی اس غرض سے کھولے گئے تاکہ یتیم بچہ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد اپنی زندگی بہتر طریقے سے گذار سکیں[۲]۔ اس کے علاوہ کانفرنس اور شیعہ مدارس کی امداد کے لئے اور شیعہ عوام کے روزگار کے لئے لکھنو میں شکر کی فیکٹری بھی کھولی گئی تھی[۳] البتہ شکر فیکٹری کا یہ کام دیرپا نہیں رہا۔

مذکورہ تمام اطلاعات سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ شیعوں کی مذہبی، سماجی، اقتصادی اور علمی بیداری کے لئے ان علماء و دانشمندوں نے کتنی کوششیں کی ہیں۔

نتیجہ

ہم نے اس مختصر سے مضمون میں فقط چار مذہبی و سماجی بیداری اور اس کے تدریجی مراحل کی طرف مختصر اشارہ کیا ہے جن میں خاندان اجتہاد کا اہم رول رہا ہے۔ ہندوستان کے شیعوں کی تاریخ میں خاندان اجتہاد کے علماء و دانشمندوں کا اتنا اہم کردار رہا ہے جن کے تذکرے کے بغیر شیعوں کی تاریخ نامکمل ہے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی کے نصف آخر سے لیکر آج تک شیعہ سماج و معاشرے کی بیداری اور ترقی و تکامل میں براہ راست یا بالواسطہ، خاندان اجتہاد کا انتہائی اہم حصہ رہا ہے۔ چاہے درس و تربیت کی مسند ہو، شیعہ اصول سے متعلق لکھی جانے والی کتابیں ہوں، مخالفین کو کتابوں کی صورت میں جواب دینے کے مراحل ہوں، کتب خانوں کا قیام ہو، ابتدائی شیعہ مدارس کی تاسیس ہو، یتیم خانے اور کالجوں کا قیام ہو، آل

۱۔ خطبہ استقبالیہ آل انڈیا شیعہ کانفرنس، مجلّہ سرفراز (خصوصی شمارہ کانفرنس)، ص۲۹، جلد ۴۲، شمارہ ۳، ۹ جون ۱۹۶۴ء لکھنو۔

۲۔ غلام حسنین نقوی، رپورٹ آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ، مجلّہ سرفراز، ص۴۵-۴۷، جلد۳۹، شمارہ ۲۰تا۲۲، ۱۹۶۱؛ نواب حیدر علی خان، رپورٹ آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ، مجلّہ سرفراز، ص۵۵-۵۶، جلد ۴۷، شمارہ ۳۵و۳۶، ۲۵ دسامبر ۱۹۶۹؛ ممتاز حسین جونپوری، ص۱۶۶-۱۶۷

۳۔ آل انڈیا شیعہ کانفرنس، روداد اجلاس چہارم، ص ۱۰۳-۱۱۴، ۱۹۱۰؛ مجلّہ اصلاح، ص۵۱، جلد ۱۲، شمارہ۶؛ مجلّہ اصلاح، ص۵۶-۵۷، جلد ۱۲، شمارہ۱۰؛ مجلّہ الواعظ، ص ۶۲-۶۳، جلد ۱۲، شمارہ۱، ماہ محرم ۱۳۲۷ھ لکھنو

انڈیا شیعہ کانفرنس جیسی مشہور تنظیم کی تاسیس ہو، شیعہ اوقاف سے متعلق بیداری اور اس کی غارتگری کے خلاف احتجاج ہو، غرض شیعہ معاشرے کی سماجی، مذہبی، علمی اور اقتصادی بیداری اور ترقی کے اکثر و بیشتر کاموں میں خاندان اجتہاد اور ان کے شاگردوں کا مرکزی کردار رہا ہے جسے رہتی دنیا تک مٹایا اور بھلایا نہیں جاسکتا۔

☆☆☆

منابع و مآخذ

- اخبار شیعہ اثناعشری، جلد ۶، شمارہ ۱۵، ۱۵ اپریل ۱۹۱۰ء دہلی
- اخبار شیعہ اثناعشری، ص ۱۰-۱۱، جلد ۶، شمارہ ۳۰، ۸ اگست ۱۹۱۰ء
- اور آل انڈیا شیعہ کانفرنس، روداد اجلاس اول، ص ۱۷، لکھنو ۱۹۰۸ء
- آغا مہدی لکھنوی، سوانح حیات فردوس مکان،
- آقا حسن، ترجمہ عمادالاسلام، حصہ اول: کتاب التوحید، لکھنو ۱۹۰۵ء
- سعید اختر رضوی، خورشید خاور، معارف پبلیکشنز گوپالپور، ۲۰۰۲ء
- سید احمد نقوی لکھنوی، ورثۃالانبیاء، تصحیح علی فاضلی، نشر موسسہ کتابشناسی شیعہ، قم ۱۳۸۹ش
- سید احمد نقوی، ورثۃالانبیاء
- سید آغا مہدی لکھنوی، سوانح غفرانمآب، جمعیت خدام عزا، کراچی ۱۹۷۶ء
- سید آغا مہدی، تاریخ سلطان العلما، کراچی ۱۳۸۲ھ
- سید علی محمد نقوی، فقہ و فقہادر ہند، نشر فرہنگی و ہنری وانتشارات بین المللی الہدی، دہلی نو، ۲۰۱۵ء
- سید مہدی بن نجف علی عظیم آبادی، تذکرۃالعلما، ورثۃالانبیاء
- سید علی نقی النقوی، مذہب شیعہ اور تبلیغ، امامیہ مشن، لکھنو، ۱۳۵۷ھ
- غلام حسنین کنتوری، النار الحاطمہ، نشر مطبع المومنین لویانہ ۱۲۸۱ھ؛ علیا ظہر، ذوالفقار حیدر، نشر مطبع اثناعشری، ۱۳۱۲ھ ، لکھنو
- قاضی اطہر مبارکپوری، دیار پورب میں علم اور علماء، نشر ندوہ المصنّفین دہلی، ۱۹۷۹ء

- قاضی اطہر مبارکپوری، تذکرہ شجرہ علمائے مبارکپور، نشر دائرہ ملیہ مبارکپور، ضلع اعظم گڑھ، ۱۹۷۴ء
- کرار حسین اظہری، شجرہ طیبہ یعنی مبارکپوری شیعہ علمائے کرام کے حالات، انصارالمہدی فاونڈیشن مبارکپور اعظم گڑھ، ۲۰۰۷ء
- محمد باقر شمس، لکھنو کی تہذیب
- محمد باقر شمس، لکھنو کی تہذیب، باب الاسلام پریس کراچی، ۱۹۶۵ء
- محمد حسین نوگانوی، تذکرہ بی بہا، ج۱، خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، دہلی نو، ۲۰۱۰ء
- مرتضی حسین، مطلع انوار، خراسان اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی ۱۹۸۱ء
- مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی، تجلیات یعنی تاریخ عباسنظامی پریس لکھنو ۱۹۲۵ء
- مفتی محمد عباس، الشعلۃ الجوالہ، نشر المعیار، رستم نگر لکھنو